

# کبھی کبھی!

از

(سعید احمد اکبر آبادی)

ہو ہی نہ سکے جس کی محاکات کبھی بھی  
 کیا کوئی سمجھتا دل پر شوق کی باتیں  
 وہ گوشِ توجہ سے اگر سنتے بھی تو کیا  
 منظور تھی ہر لمحہ جنہیں دل کی رعایت  
 اے خندہ زین بے کسی اہلِ وفا سن!  
 ہر تارِ نفس بستہ یک تارِ نفس ہے  
 بیگانہ وشی سی کوئی بیگانہ وشی ہے  
 کشتِ دل محزوں میں بھی آجائیں بہارِیا  
 کیا قہر ہے اے یاس کہ اب دستِ تمنا  
 وہ برہمی ناز کہ سو لطف تصدق

ممکن نہیں اس غم کی مکافات کبھی بھی  
 ہم خود ہی نہ سمجھے وہ اشارات کبھی بھی  
 کھل کر نہ کہی شوق نے اک بات کبھی بھی  
 سنتے نہیں اب دل کی کوئی بات کبھی بھی  
 دیکھی نہیں آہوں کی کرامات کبھی بھی؟  
 آئی ہی نہیں مرگِ مفاجات کبھی بھی  
 گویا کہ نہ تھی ان سے ملاقات کبھی بھی  
 ایسی بھی تو برسے کوئی برسات کبھی بھی  
 اٹھتے بھی نہیں بہرِ مناجات کبھی بھی!  
 ملتی ہے کہاں حسن کی سوغات کبھی بھی!

اُس مہرِ درخشاں کا زہے فیض تصور  
 کاشانہ میں میرے نہ ہوتی رات کبھی بھی!